OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اردو تفاسیر میں عقائد سے متعلق مباحث: بیان القرآن اور تفسیر نعیمی کا تقابلی جائزہ

Discussions on Beliefs in Urdu Commentaries of Quran: A Comparative Study of *Bayān al-Qur'an* and *Tafseer-e-Na'īmī*

Mr. Allah Yar
Doctoral Candidate, Department of Usooluddin, University of Karachi
Dr. Naseem Akhter (Corresponding Author)
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar
Ms. Farida Kakar
Lecturer, Department of Islamic Studies, Sardar Bahadar Khan Women's University, Quetta, Baluchistan, Pakistan

Abstract

Allah tala reviled a sacred book the holy Quran in consecutively into prophet PBUH without doubt. Quran leads humankind in every aspect of life it is claimed in Holly Quran and every claimed need reference. Different tafaseer of Quran claim of references, because human being objective is to spare his life according to Islam. Every spare of life Muslims with accordance to take benefits from tafaseer. Indo Pak Muslim not remained behind they showed their love in different ways, on this, The Qalam e elahi is on the surface because indo Pak Muslim language is Urdu. For this sake, a large number of tafaseer written in Urdu language. In Urdu language tafaseer Bayan ul Quran and tafseer e Naeemi retain fame. In these both obligation

CC BY

fiqh has been taken from Hanafi in tafaseer, both mufasreen also belonged to Hanafi sect instead of this, is difference between their opinions require attention

Keywords: Tafaseer, benefit, Indo Pak Muslims, surface

تمہید

حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ جن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی، انہیں اسی لیے آخر میں مبعوث فرمایا تاکہ قیامت تک ان کی پیروی کی جاسکیں، ان پر کسی شک وشبہ کے بغیر تیئس سال میں تدریج کے ساتھ اپنی آخری کتاب قرآن پاک نازل فرمائیں اور اس کلام کو جامعیت کا لبادہ پہنایا تاکہ نبی آخر الزماں ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی کلام کو قیامت تک ہدایت کا ذریعہ بنایا جاسکیں۔ اس کلام میں ہر دور میں ہر ایک کے لیے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ یہ قرآن پاک کا ایک دعویٰ ہے اور ہر دعویٰ اپنی دلیل چاہتا ہے۔ اس دعوے کی دلیل ہر دور میں قرآن پاک کی مختلف تفاسیر ہیں۔ جس نے اس بات کو ثابت کیا کہ قرآن پاک صرف ایک مذہبی کتاب نہیں بلکہ ایک ضابطہ حیات ہے لیکن اس کتاب سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے اور منطبق کرنے کے لیے اس اصولوں کی پابندی کی جائے جو اصول متقدمین کے دور سے چلے آرہے ہیں تاکہ جس طرح قرآنی الفاظ اور زبان محفوظ ہے اسی طرح اس کے معانی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریفات وشبہات سے محفوظ رہیں۔ تفسیر کا آغاز نہ صرف آپ ﷺ کے دور سے ہوا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے تفسیری اجتہاد واستنباط کا راستہ بھی کھول دیا ہے۔ اپنا ہر لمحہ اسلام سے منطبق کرنے کے لیے ہر طبقے (دور) کے مسلمانوں نے تفسیر سے فائدہ اٹھایا۔ ان مسلمانوں میں برصغیر کے مفسرین سرفہرست ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے علماء کی زبان عربی نہ ہونے کے باوجود انہوں نے قرآن پاک کی جو خدمت کی ہے شاید کسی مسلم معاشرے نے کی ہوگی۔ برصغیر اور تفاسیر قرآن پاک کا تعلق نہایت قدیم ہے۔ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ پہلی مرتبہ برصغیر میں کس مفسر نے تفسیر تحریر کی ہوگی؟ جبکہ برصغیر میں تفسیر نویسی کا باقاعدہ آغاز عہد سلطنت میں ہوگیا تھا۔ علم تفسیر برصغیر پاک وہند کے علماء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے چنانچہ اس فن میں عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں کثیر تعداد میں تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں دیگر علوم وفنون کی طرح قرآن پاک کی تفسیریں بھی بڑی تعداد میں لکھی گئی۔ جن میں زیادہ تر اردو زبان میں تفاسیر وتراجم تالیف کی گئیں کیونکہ پاک وہند میں تیرہویں صدی ہجری کے آخر اور چودھویں صدی ہجری کے شروع میں فارسی کی جگہ اردو نے لے لی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے قرآن پاک کے مختلف موضوعات پر کام کیا ہے۔ بلکہ برصغیر پاک وہند میں سنی مسالک بنیادی طور پر چار اقسام میں منقسم ہیں۔ جن میں "سنی بریلوی"، "سنی دیوبندی"، "اہل حدیث یا سلفی (غیر مقلد جن کا تعلق کسی مکتب فکر سے نہیں بلکہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی پیروی لازم سمجھتے ہیں)"، "وہ حضرات جس کا کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں ہیں"۔ ہر مفسر نے اپنی مسلک کی تائید میں تفاسیر تالیف کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیوبند اور بریلوی مسالک کا تعلق فقہ حنفی سے ہونے کے باوجود دونوں میں تعارض پایا جاتا ہے۔ دونوں مسالک میں نامور علماء وفضلا گذرے ہیں۔ جو اپنے مسالک کی تائید کرتے نظر آتے ہے۔ جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی احمد یار نعیمیؒ خاص اہمیت کے حامل علماء ہیں۔ ان حضرات

نے اسلام کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر کام نہ کیا ہو۔ انہی پہلوؤں میں ایک پہلو قرآن پاک کی تفسیر ہے جو شہرت واہمیت اور علمی افادیت کے اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔

تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی کا تعارف

مفسر کے حالات زندگی

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبح صادق بمطابق ۹ ستمبر ۱۸۶۳ء میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔[1] آپؒ کا نام ننہال کی طرف سے اشرف علیؒ اور دادھیال کی طرف سے عبدالغنیؒ رکھا گیا لیکن آپؒ نے اس نام سے شہرت حاصل نہیں کی اورآپؒ کا تاریخی نام کرم عظیم ہیں۔ آپؒ دادھیال کی طرف سے فاروقی اورننہال کی طرف سے علوی تھے۔ آپؒ کو میرٹھ کی قبیلہ قصاینی سے تعلق رکھنے والی دیہاتی خاتون نے دودھ پلایا ہے اورآپؒ کے القاب حکیم الامت اور سجع ہیں سب سے پہلے جناب مولوی محمد بیگ صاحبؒ مرحوم مالک مطبع محبوب المطابع دہلی نے حکیم الامت لقب آپؒ کے پتہ میں تحریر فرمایا تھا۔ سابق مدرس اوّل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فتویٰ نویسی کا کام مولانا اشرف علیؒ تھانوی کے سپرد فرمایااورمہر پر سجع کندہ کرایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے بعمر بیاسی ۸۲ سال تین ماہ ۱۱دن ۱۶ یا ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹اور ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشاء کے وقت اس جہاں سے رخصت فرمائی۔[2] مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگرانی میں غسل دیا گیا۔ آپؒ کی نماز جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی۔ تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھاوہاں آپؒ کو دفن کر دیا گیا۔ آپؒ کی نماز جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ آپؒ کی جسد خاکی کو عید گاہ میں نماز جنازہ دی گئی۔ مولانا تھانویؒ کی وصال کے بعد انہی کے ایک دوست نے خواب میں دیکھا کہ شیخ فرمارہے ہیں کہ مجھ کو مرتبہ شہادت ملا۔ آپؒ نے اسلام کے تمام پہلوؤں پر کام کیا۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؒ کی تمام تصانیف رسالوں وغیرہ کے ساتھ شمار کیا جائے تقریباً آٹھ سو یا ہزار سے اوپر ہیں مولانا صاحبؒ نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلی تصنیف لکھی اور پھر آخر عمر تک مصنف ہی رہے ۔انہی تصانیف میں تفسیر بیان القرآن سرفہرست ہے۔

تفسیر بیان القرآن

"بیان" کا مطلب ہیں مقولہ، کلام، بات، گفتگو، وعظ، تقریر، شہادت، گواہی اورایک ایسا علم جس میں تشبیہ، استعارہ، مجاز اور کنایہ وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

قرآن: قرآن دراصل قَرَ اَیَقرَ اُ سے نکالا گیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں اس لیے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف وکلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔ قَرَ اَیَقرَ اُ کا مصدر قِرَاءۃٌ کے علاوہ قُرٰانٌ بھی آتا ہے لہذا خود اللہ تعالیٰ نے کم ازکم اکسٹھ ۶۱ مقامات کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے:﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَه' وَقُرْاٰنَه﴾۔[3] "بلاشبہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ہی ذمہ ہے" پھر عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں استعمال کرلیا جاتا ہے کلام اللہ کو قران اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔یعنی "پڑھی ہوئی کتاب"۔

قرآن کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے ۔﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْافِيْهِ﴾۔[4] "تم اس قرآن کو نہ سنو،اور اس کی تلاوت کے دوران لغو باتیں کیا کرو" ان

کفار کے علی الرغم قرآن نام رکھ کر اشارہ فرمادیا گیا کہ قرآن کریم کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جاسکتا یہ کتاب پڑھنے کے لیے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن پاک ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہیں۔

تمام اہل علم نے قرآن پاک کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہیں

﴿المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول الینا نقلاًمتواتر اًبلاشبه﴾۔[5] ”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا ،اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتراً منقول ہے“ لہٰذا اس تحقیق کے بعد بیان القرآن کا مطلب یہ ثابت ہوتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کے متعلق ایسی وعظ یا تقریر جس میں تشبیہ ،استعارہ، مجازاور کنایہ کے ذریعے بحث کرکے گواہی دی گئی ہو“ یا عام الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیان القرآن کے معنی ہے قرآن پاک کی وضاحت۔ آپؒ اعلیٰ درجے کے عالم، مفکر، مصلح و مربی تھے۔ آپؒ کے تصانیف سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچ رہا تھا۔ جس کے تحت لوگوں نے آپؒ کو تفسیر لکھنے کی تجویز پیش کی حالانکہ اس سے پہلے بھی بہت سے تراجم و تفاسیر لکھیں جاچکی تھیں لیکن حالات کے ضروریات کے تحت احباب اور آپؒ کا اپنا بھی خیال تھا کہ کوئی مختصر اًمگر جامع تفسیر لکھی جائے لہٰذا انہوں نے تفسیر بیان القرآن تالیف فرمائی۔ جس میں مولانا صاحبؒ کے چند عقائد درج ذیل ہیں۔ ا۔ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے۔ ۲۔ بشریت حضور اقدس ﷺ۔ ۳۔ مدد صرف زندوں سے لی جاسکتی ہے اور مستقل حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ۴۔ بغیر دن مقرر کیے ایصال ثواب کی نیت جائز ہے۔ ۵۔ ہر وقت سنت پر قائم رہنا چاہیے عید میلاد النبی سے افراط و تفریط کا قاعدہ متعارف ہوتا ہے۔

اس تفسیر کا اسلوب تحریر کچھ یوں ہے۔ یہ ایک جامع تفسیر ہے جس کو تفسیری ترجمہ کہنا بجا ہوگا۔ اس تفسیر میں بامحاورہ ترجمہ کو اس انداز میں احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے کہ تحت لفظی کی رعایت کی گئی ہے۔ مولانا صاحبؒ نے قرآن پاک کے اردو ترجمے میں قرآنی اسلوب اپنایا ہے قرآنی کلمات ،اسماء وافعال کو ہی ترجمہ میں منتقل کیا ہے اس میں فنی اردو استعمال کی گئی ہے جو اس وقت عام بولی جاتی تھی لیکن آج کے دور میں اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ تفسیر میں عام و خاص دونوں کا سامان موجود ہیں عوام کے لیے اردو میں جبکہ خواص کے لیے (علیحدہ حاشیہ) عربی میں تفسیر فرمائیں ہیں۔ حاشیہ عربیہ میں (علماء خاص کا حاشیہ) اگر کسی کتاب کی عبارت لی گئی ہے تو وہاں کتاب کا نام بھی مذکور ہے جہاں اپنی طرف سے کچھ لکھا گیا ہے وہاں کتاب کے نام سے پہلے من بڑھا دیا ہے۔ جہاں استاذی لکھا ہے اس سے مراد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہیں۔ جہاں مرشدی لکھا ہے اس سے مقصود حضرت مولانا الحاج محمد امداد اللہ صاحبؒ قدس سرہ ہیں۔ جہاں کوئی ماخذ نہیں وہ سب مولانا صاحبؒ کا اپنا لکھا ہوا تحریر ہیں۔ ”ف“ کے نام سے ایک سرخی دی گئی ہے نفس ترجمہ کے علاوہ جہاں مضمون بہت ضروری ہے وہاں ترجمہ کی وضاحت اس سرخی میں شامل کردی ہے۔ زیادہ اقوال کی صورت میں قابل ترجیح کو اہمیت دی ہے سورتوں میں ربط کا التزام سورۃ مائدہ سے کیا گیا ہے۔ مذہب حنفی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن ضرورت پڑنے پر دوسرے مذاہب کو بھی حاشیہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ مختلف سورتوں کے آیات جن کا تعلق ایک مضمون سے ہے ان کو ایک جامع عنوان کے ساتھ ایک جگہ جمع فرمایا گیا ہے اور کئی جگہ وہ مضامین آئے ہے تو شروع میں اس کی تفصیل کرکے دوسری جگہ پچھلے تفسیر کا حوالہ دیا گیا ہے یا پہلی جگہ اس دوسری جگہ کا وعدہ کیا گیا ہے یہ سب ایک مسلسل تقریر معلوم ہوتی ہے۔ اسرائیل روایات سے بالکل پرہیز کیا گیا ہے۔ بعض آیات میں مفسرین نے ان روایات کی

ضرورت کو محسوس کیا ہے لیکن مولانا صاحبؒ نے وضاحت کر دی ہے کہ اس کے بغیر بھی تفسیر ممکن ہے۔ تمام تفسیر میں دو یا تین ایسے مقامات ہیں کہ وہاں مولانا صاحبؒ کے مرضی کے مطابق شرح صدر نہیں ہوا وہاں اس کی تصریح بھی کر دی تاکہ اگر کسی کو اس سے اچھی کوئی تفسیر ملے اسی کو راجح سمجھے۔ مسائل فقہیہ و کلامیہ کی ہر آیت کے متعلق اسی قدر تحقیق پر اکتفا کیا گیا ہے جس پر تفسیر قرآن موقوف تھی۔ جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے اس کے مقابلے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دی گئی ہے۔ ہر جگہ سلف صالح کا اتباع کیا گیا ہے متاخرین کے اقوال جو سلف کے خلاف تھے ان کو نہیں لیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ بہت زور دے کر حکم دیا ہے۔ ایسے مقامات میں اگر ترجمہ میں ایک لفظ سے مطلب پورا نہ ہو سکے تو مولانا صاحبؒ مزید الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تاکہ قرآنی زور برقرار رہے۔ اس کے مطالعہ سے علوم ظاہری و باطنی دونوں کے نئے نئے پہلو آشکار ہوتے چلے جاتے ہیں اور زیادہ تقابلی جائزہ نہیں ہے کیونکہ اس سے عوام شش و پنج میں ہو جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ایک بار حضرتؒ نے فرمایا تفسیر بیان القرآن میں سب الہامی مضامین ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو الفاظ و معانی الہام فرمائے بعینہ میں نے وہی لکھے۔ بجز دو ایک مقام کے جن کی میں نے نشان دہی کر دی ہے۔ یہ تفسیر میں نے کامل شرح صدر کے ساتھ لکھی ہے اس کی قدر تو ان لوگوں کو ہو گی جنہوں نے کم از کم بیس معتبر تفاسیر کا مطالعہ کیا ہو۔ وہ دیکھیں گے، وہ مقامات جہاں سخت اشکالات و اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ ان کا حل کیسی سہولت کے ساتھ قوسین کے اندر صرف چند الفاظ بڑھا دینے سے ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے"۔[6]

سب سے بڑی خصوصیت جو مولانا صاحبؒ میں تھی وہ یہ کہ اپنی تصانیف میں جہاں اتفاقی طور پر غلطی ہوئی ہو یا کسی دوسرے کے ذریعے پتہ چلا ہو تو اس غلطی کی طرف رجوع فرما لیتے تھے اور اس رجوع کو پھر شائع بھی کرتے تھے یا جہاں تردد محسوس ہو رہا ہو وہاں یہ تحریر فرماتے کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لیا جائے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے بعض فضلا سے اپنی تصانیف بہشتی زیور ،امداد الفتاویٰ اور تفسیر بیان القرآن پر نظر ثانی بھی کرائی اس سلسلے کا ایک خاص لقب ترجیح الراجح تجویز کیا گیا۔ تفسیر بیان القرآن کی خصوصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے بیان القرآن (جو خط کشید میں ہے) کے ترجمے کو الگ کر کے قرآن مجید کے زیر متن ترجمہ حکیم الامتؒ کے نام سے ان ہی کے زمانے میں شائع بھی کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ متعدد تفاسیر میں بیان القرآن کا ترجمہ لیا گیا ہے بلکہ اب تک لیا جا رہا ہے۔ جن میں چند درج ذیل ہیں "درس قرآن"، "تفصیل الکتب"، "مستند خلاصہ مضامین قرآنی"، "تفسیر ماجدی"۔ مولانا صاحبؒ نے چند تفاسیر کا تذکرہ اپنے خطبہ میں کیا ہیں۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ پر ہمیں بتیان کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ بتیان ایک مختصر مضموعہ ہے مولانا صاحبؒ کی تقریرات کا مولانا صاحبؒ چونکہ تفسیر کا درس بھی دیا کرتے تھے لہذا مولانا صاحبؒ کے بھانجے مولوی سعید احمد نے آپؒ سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھتے وقت بعض مشکل مقامات کی تفسیر اپنے پاس لکھ کر محفوظ کر لیا تھا لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا اور مولوی سعید احمد کا وصال ہو گیا اور یہ کام پایا تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اس مختصر مجموعے کا نام بتیان ہے۔

تفسیر نعیمی از مفتی احمد یار نعیمیؒ

مفسر کے حالات زندگی

آپ کا نام منظور خان تھا لیکن احمد یار خان کے نام سے مشہور ہوئے۔ مفتی صاحبؒ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۴ء کو مارچ کی پہلی تاریخ ،جمعرات کے دن نماز فجر کے وقت، محلہ قلعہ کھیڑہ اوجھیانی، شہر یوپی (اتر پردیش)، ضلع بدایوں (ہندوستان) میں پیدا ہوئے

اسلامی مہینے کے مطابق جمادی الاول شریف کی چار تاریخ تھی۔ آپ والد کی طرف سے یوسف زئی پٹھان تھے اور والدہ کی طرف سے قریشی خاندان سے تھے۔ شاعری میں آپؒ کا تخلص سالک بدایونی تھا اور نعیمی، اشرفی، اوجھانوی، بدایونی اور گجراتی القابات سے شہرت پائی۔ استاد گرامی صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادیؒ نے علم میراث کا ایک عظیم فتویٰ لکھنے پر آپؒ کو مفتی اسلام کا لقب عطا کیا جبکہ ۱۹۵۷ء میں حاشیہ قرآن نور العرفان لکھنے پر پیر سید معصوم شاہ صاحبؒ نوشاہی قادری مالک نوری کتب خانہ لاہور کی تحریک پر پاکستان کے جید علماء کرام نے متفقاً حکیم الامت لقب تجویز فرمایا۔[7] آپؒ ہندوستان میں پیدا ہوئے تبلیغ کے سلسلے میں وطن عزیز کو ترک کر کے پاکستان آئے۔ حکیم الامت کی وصال ۷۷ سال کی عمر میں ۳رمضان المبارک کو بروز اتوار بعد نماز ظہر ۲۴ اکتوبر ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔ نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابو البرکات سید احمدؒ دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی۔ حکیم الامت کی آرام گاہ گجرات (پنجاب) کے وسط میں چوک پاکستان میں ہے۔ ان کی قبر ان کی ذاتی مکان کے اس کمرے میں بنائی گئی، جہاں آپؒ نے سالہاسال درس و تدریس کی، تصانیف و تفاسیر تحریر کیے اسی کمرے میں آپؒ کا مزار شریف بنایا گیا ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک چوبیس اکتوبر کو گجرات میں منایا جاتا ہے۔ آپؒ کا عرس شمسی تاریخ کو متعین کیا گیا کیونکہ رمضان شریف میں آنے جانے میں دقت ہوتی ہے۔ ملک اور بیرون ملک سے لوگ تشریف لاتے ہیں قرآن خوانی ہوتی ہے محافل نعت و تقاریر کا انعقاد ہوتا ہے علمائے کرام آپؒ کی دینی خدمت کا اعادہ کرتے ہیں شخصیت کے جملہ پہلو بیان کرتے ہیں۔ آج کل جانشینی و سلسلہ بیعت بھی حضرت مولانا عبد القادر نعیمی کو حاصل ہے آپؒ حکیم الامت کے پوتے اور مفتی اقتدار احمد خان نعیمیؒ کے بیٹے ہیں۔[8] آپؒ نے اسلام کے تمام پہلوؤں پر کام کیا تقریباً پانچ سو کتابیں تصنیف فرمائیں کچھ تقسیم پاکستان و ہندوستان کے وقت ضائع ہو گئیں اکثر کتب غیر مطبوعہ ہیں۔ ابھی بھی آپؒ کے کتب خانے میں پڑی ہے اور اشاعت کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ ان تصانیف میں تفسیر نعیمی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

تفسیر نعیمی

تفسیر نعیمی کا مکمل تاریخی نام اشرف التفاسیر ہے جو تفسیر نعیمی کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر کا شمار اردو زبان کی بلند پایہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ بریلوی مسلک میں یہ تفسیر ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے پہلے بریلوی مسلک میں اس درجے کی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ یہ بریلوی مسلک کی پہلی مفصل تفسیر ہے۔ شروع میں بریلوی مسلک کے علماء نے زیادہ تر مناظروں، مباحثوں اور دیگر علوم کی طرف توجہ دی ہے۔ تفسیر کی کمی کو سب سے پہلے مفتی احمد یار نعیمیؒ نے محسوس کیا لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ بریلوی مسلک کی پہلی اور سب سے بڑی تفسیر مفتی احمد یار نعیمیؒ کی تفسیر ہیں۔ آپؒ نے گیارہ پارے کے آخری پاؤ تک تفسیر لکھی پھر آپؒ کا وصال ہو گیا۔ آخری آیت مبارک "الا ان اولیاء اللہ۔۔۔۔ ذلک ھو الفوز العظیم" تھی۔ اس کے بعد بیس پارے تک آپؒ کے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خان نعیمی نے لکھی ہے اور اٹھارہ پاروں تک چھپ چکی ہیں پھر ان کا بھی وصال ہو گیا ہے اور مزید اس پر اب تک کسی نے کام نہیں فرمایا۔ مفتی صاحبؒ نے شکایت کی ہے کہ عقائد باطلہ فرقوں نے برصغیر پاک و ہند میں بہت زیادہ تفاسیر لکھی ہے۔ جس سے صحیح اسلامی نظریات سے دوری پیدا ہوئی ہے لہٰذا مفتی صاحبؒ ایک عرصے سے تمنا لیے ہوئے تھا کہ اردو زبان میں ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو عربی تفاسیر کا خلاصہ ہو جس میں موجودہ فرقوں کے اعتراضات کا جواب دیا جائے اور گجرات میں تشریف آوری کے بعد آپؒ نے اس نیک کام کو سرانجام دیا۔

تقریباً مفتی صاحبؒ کی تمام تصانیف دارالعلوم انجمن خدام الصوفیہ (گجرات پاکستان) میں احاطہ تحریر میں آئی ہیں تفسیر نعیمی بھی اسی دور میں لکھی گئی ہیں۔ جب تفسیر نعیمی کے کچھ اجزاء مکمل ہوئے تو پنجاب میں کاغذ دستیاب نہیں تھا۔ چنانچہ انجمن کے ارکان نے حیدرآباد دکن سے پورا پارہ چھپوا کر پیش کیا۔ تفسیر نعیمی کی تقریباً آٹھ مجلدات مفتی صاحبؒ کی حیات میں طبع ہو چکی تھی یعنی تفسیر نعیمی کی سات جلدیں (پہلے سات پاروں پر مشتمل) طبع ہو چکی تھی۔ آٹھویں پریس میں تھی اور نویں اور دسویں کا مسودہ مکمل ہو چکا تھا اور گیارہویں کی تالیف جاری تھی کہ مفتی صاحبؒ اپنے جہاں حقیقی کی طرف کوچ کر گئے، جبکہ جدید ایڈیشنوں میں جلد اول میں مفتی صاحبؒ کے نام کے ساتھ، "مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات" کے الفاظ لکھے گئے ہیں جبکہ مدرسہ خدام الصوفیہ میں آپؒ نے تفسیر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بعد آپؒ مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات منتقل ہوئے باقی تفسیر وہی تصنیف کی اور تفسیر میں بریلوی مسلک کے عقائد پر زور دیا گیا جس میں چند درج ذیل ہیں۔ ۱۔ علوم غیبیہ۔ ۲۔ عقیدہ حاظر وناظر۔ ۳۔ عقیدہ نور وبشر۔ ۴۔ استعانت لغیر اللہ۔ اس تفسیر کا اسلوب تحریر کچھ یوں ہیں کہ اس تفسیر میں مسائل علمی ہونے کے باوجود آسان الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ہر آیت میں دو ترجمے کیے گئے ہیں۔ لفظی ترجمہ مفتی صاحبؒ کا اپنا ہے اور بامحاورہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مفتی رضا احمد خان کا ترجمہ کنز الایمان سے لیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں اردو تفسیر، تفسیر خزائن العرفان مصنف صدر الافاضل سید نعیم الدینؒ کو مشعل راہ بنایا گیا ہے۔ ایک معلوماتی دیباچہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں تفسیر، تاویل اور تحریف میں فرق، مولوی اور صوفی کی تعریفیں، فرق اور ان دونوں جماعتوں کی ضرورت واضح کیا ہے۔ آیت وسورت کے فضائل کو بھی درج کیا گیا ہے۔ ہر آیت کا پہلی آیت سے عمدہ ربط وتعلق بلکہ بعض آیات کی متعدد روابط بیان کیے گئے ہیں۔ آیات کا شان نزول وضاحت سے بتایا گیا ہے۔ اگر زیادہ شان نزول مروی ہیں تو ان کی تطبیق کی گئی ہے۔ ہر آیت کی اولاً مفصل تفسیر پھر خلاصہ تفسیر اس کے بعد آیت سے مختلف فوائد نکالے گئے ہیں پھر اعتراضات اور اس کے جوابات کا سلسلہ ہے آخر میں صوفی تفسیر کی گئی ہے۔ جن آیات سے کئی صوفی تفاسیر اخذ ہوتی ہیں ان کی ایک سے زیادہ صوفیانہ تفسیریں لکھی گئیں ہیں۔ تصوف کے رموز ونکات بھی آسان الفاظ میں ملتے ہے اور جن آیات سے علمی فوائد، نکات اور فقہی مسائل اخذ ہوتے ہوانہیں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ تقریباً ہر آیت میں تمام مذاہب وفرقے چاہے اس کا تعلق اسلام سے ہو یا اسلام سے نہ ہو، کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ تفسیر نعیمی میں مکمل علوم سے استفادہ لیا گیا ہے جیسے صرف، نحو، منطق اور بلاغت وغیرہ۔ جگہ جگہ پر شان رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیاروں کی شان کا ذکر کیا گیا ہے۔ موقع محل کے مطابق حکایات بھی درج کیے گئے ہیں۔ مسلک بریلوی کی تائید میں یہ تفسیر لکھی گئی ہیں ہر جگہ مسلک بریلوی اور فقہ حنفی کو ترجیح دی گئی ہے۔ بعض جگہ شوافع اور مالکی مسلک کی تردید بھی کی گئی ہے۔ عملیات وتعویذات بھی بتائے گئے ہیں اور عربی وفارسی تفاسیر سے ایسا مواد مفتی صاحبؒ نے لیا ہے جو دلچسپی کا موجب بنتا ہے مقصود یہ ہے کہ دلچسپی کے ساتھ ساتھ اصل مطلوبہ چیزیں بیان کی جائے۔ اسرائیلی روایات بھی تفسیر میں موجود ہے کئی جگہ پر دلائل دے کر ان کی تصحیح کرنے کی کوشش کی گئی ہیں۔ پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے موقع محل کے مطابق اشعار بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جگہ جگہ پر اپنی آپ بیتی بھی نصیحت کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ حالات حاضرہ کی بھی بھرمار کردی گئی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے درمیان میں لطیفے (اچھی چیز، انوکھا) بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ لطیفے اسلام کے پیغام پر مبنی ہے۔ سابقہ تفاسیر سے نہ صرف استفادہ لیا گیا ہے بلکہ بعض مقامات پر تنقیدی جائزہ بھی کیا ہے قوی دلائل سے ان کی تردید کی گئی ہے۔ ملا احمد جیون کو شاہ عبد العزیز پہ ترجیح دی ہے اور تفسیر حالات کے تقاضے کے مطابق تصنیف کی گئی ہیں۔

مفتی صاحبؒ نے دیباچہ میں چند تفاسیر کا ذکر کیا ہیں لیکن ان تفاسیر کے علاوہ بھی تفسیر نعیمی میں مختلف تفاسیر کا تذکرہ ملتا ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر خازن۔ الدر منثور۔ تفسیر احمدیہ۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر مظہری۔ تفسیر صاوی۔ الم غلبت روم کی تفسیر۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی،، طبرانی اور فتاویٰ عالمگیری اور در مختار کے حوالے بھی ملتے ہیں لیکن اکثر احادیث حوالوں کے بغیر درج کیے گئے ہیں۔

عقائد میں مماثلت وعدم مماثلت

علوم غیبیہ میں مماثلت

بقول مولانا صاحبؒ مطلق غیب سے مراد اطلاقات (جاری کرنا، استعمال ہونا) شرعیہ میں وہی غیب ہے۔ جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ اور سبیل (واسطہ، طریقہ، راستہ) نہ ہو اسی بناپر لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الااللہ۔ اورلوکنت اعلم الغیب۔ وغیرہ فرمایا گیاہے اور جو علم بواسطہ ہو اس پر غیب اطلاق محتاج قرینہ (صورت، روش، مناسبت، سلیقہ، قیاس) ہے۔ تو بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع وناجائز ہو۔[9] بقول مفتی صاحبؒ: غیب کے معنی غائب یعنی چھپی ہوئی چیز اصطلاح میں غیب وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ ظاہری وباطنی حواس اور عقل سے چھپی ہو۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو مگر جس کو رب بتائے۔ دوسرا وہ غیب جس پر دلیل قائم ہو یعنی دلائل سے اس کا پتہ لگ جائے۔ یہ غیب وہ ہے کہ غور وفکر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ذات، انبیاء کرام کی نبوت، قیامت، حساب، سزا و جزا، جنت و دوزخ، یہ سب اس غیب میں داخل ہیں۔[10] دونوں تعریفوں پر غور کیا جائے تو دونوں حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ اپنے پیغمبروں کو کچھ علوم عطا فرماتا ہے لیکن بحث اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنا علم انبیاء کرام اور خاص طور پر آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾۔[11] متقی وہ لوگ ہے جو ان غیبوں پر ایمان رکھتا ہو جو دلائل سے معلوم ہو سکے اس پر دونوں صاحبان متفق ہیں۔

عدم مماثلت

﴿قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾۔[12] اس آیت کے متعلق مولانا اشرف علیؒ تھانوی فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں علم کو سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہے جبکہ مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے کسی قدر علم کو سمجھتے ہیں اور وحی وکتاب فرشتے ہی لے کر آتے ہیں مگر حقیقت میں نبی کے ذریعے فرشتوں کو علم ملا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو تمام نام سکھائیں۔ اب نبی کے پاس جو وحی آئے گی وہ ان کے علم میں پہلے سے ہوگی اس وحی سے ان کا علم ظاہر ہوگا ان کا دعویٰ حضرت آدم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے متعلق ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ط عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾۔[13] مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے شان نزول سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم غیب عطا کیا تھا اسی لیے آپ ﷺ نے سب کو سب سوالوں کے جوابات دیے۔

جبکہ مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں بمطابق تفصیل یا تشریح علوم کی اصل میں دو اقسام ہیں۔ علم احکام، علم واقعات کیونکہ صاحب حکم کو دونوں کی ضرورت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کو بذریعہ وحی عطا کر دیا گیا تھا لیکن یہ لازم نہیں کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو ہر واقعہ کا علم عطا ہوا ہو پس آپ ﷺ کو تمام واقعات کا علم نہیں دیا گیا تھا۔[14] اس کی تائید میں مولانا صاحبؒ درج ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾۔[15] جبکہ مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہاں کوئی قید نہیں بلکہ علوم غیبیہ ہی مراد ہے اور اعتراضاً فرماتے ہیں انبیاء کرامؑ صرف تبلیغ دین کے لیے آتے ہیں انہیں علوم غیبیہ اور حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت؟ اس اعتراض کے جواب میں مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بعض انبیاء کرامؑ کو اللہ تعالی نے بہت سی چیزیں سکھائیں جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں جیسے حضرت آدمؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت سلیمانؑ۔

عقیدہ نور و بشر

مماثلت: بقول مولانا صاحبؒ "کمالات رسالت سے نعوذ باللہ آپ کی تنقیص کر کے دوسرے بشر پر آپ کو قیاس کرنا کفر یا بدعت ہے۔[16] بقول مفتی صاحبؒ نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اے ابراہیم کے باپ یا اے بھائی یا باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔[17] ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾۔[18] اس آیت کی تفسیر میں دونوں صاحبان نے آپ ﷺ کی بشریت کا اعتراف کیا ہے بلکہ مولانا صاحبؒ نے اپنی کتاب جواہرات حکیم الامت میں فرمایا ہیں کہ "بشر کہنے پر فخر محسوس کرنا چاہیے اسی صفت سے تو ہم کو ہدایت ہوئی۔"[19]

عدم مماثلت

کمالات عبدیت سے آپ کو متجاوز قرار دے کر الٰہ حق کے خواص سے متصف جاننا یا کسی امر منفی منتفی فی النص کو مثبت ماننا بھی شرک یا معصیت ہے۔"[20] "نور محمدی روح محمدی ہے۔"[21] نور کے متعلق مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "روح سب کی نور ہے۔ حضور ﷺ کا جسم اطہر بھی نور ہے۔ حضور ﷺ کی اولاد مطہرات بھی نور ہے۔"[22] اسی طرح حضور علیہ السلام کے ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے۔ اس کے کفار بھی قائل تھے بلکہ حضور پاک علیہ السلام کے چھپے ہوئے اوصاف کو ماننے کا نام ایمان ہے یعنی کے وہ اللہ کے رسول ہیں۔ دیوبندیہ کا حضور علیہ السلام کی بشریت کے پیچھے پڑ جانا محض بے دینی ہے ان کو بشر ماننا ایمان نہیں بلکہ ان کو مصطفی ماننا رحمتہ اللعالمین ماننا ایمان ہے۔"[23] ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾۔[24] ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾۔[25] ان آیات کے متعلق مولانا صاحبؒ کے اقوال کا حاصل بحث یہی ہے کہ بے شک یہاں نور سے مراد آپ ﷺ بھی ہے لیکن آپ ﷺ کی نور نبوت مراد ہے ذات مبارکہ نہیں۔ جبکہ مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نور حسی بھی ہوتی ہے معنوی بھی۔ نور حسی جیسے سورج، چاند، تارے وغیرہ نور معنوی جیسے علم، ایمان، قرآن پاک اور آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سب اللہ تعالیٰ کے نور ہے یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور ہے، اللہ تعالیٰ کے روشن کردہ ہے۔ آپ ﷺ کا ذات مبارک نہ صرف معنوی نور ہے بلکہ حسی بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا سایہ نہ بنتا تھا۔ آپ ﷺ کے چہرے مبارے سے نور چمکتا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو اسی

لیے ذوالنورین (دونوروالے) کہاجاتا تھا کہ آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپؓ کے نکاح میں آئیں۔ مدینہ منورہ اسی لیے نورانی کہلایا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہے ان کی تجلی گاہ ہے۔

عقیدہ حاضر وناظر

عدم مماثلت: بقول مفتی صاحبؒ عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف ودست کی طرح دیکھے اور دور وقریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو تو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لیے قرآن وحدیث واقوال علماء سے ہے۔[26] جبکہ مولانا اشرفؒ نے حاضر وناظر کا نہ صرف انکار کیا ہے بلکہ مولد شریف میں بھی آپ ﷺ کی تشریف آوری کا انکار کیا ہے۔ جیسے بیان فرماتے ہیں کہ "جب مولد ہوگا تشریف آوری ضرور ہوگی، لزوم اور دوام کے لیے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے۔ تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہوا تو اس کی اصلاح واجب ہوئی۔"[27] لہذا مماثلت تو حاضر وناظر میں کہیں نہیں پائی جاتی ہے۔ ﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾۔[28] ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾[29] ان آیات کے متعلق مولانا صاحبؒ نے آپ ﷺ کا ولادت باسعادت ہی مراد لیا ہے جبکہ مفتی صاحبؒ کا فرمان ہیں ہمارے دنیا میں آنے کو خلق یا ولادت کہا جاتا ہے مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کو رب تعالیٰ نے جاء۔ بعث۔ ارسل کے الفاظ سے بیان فرمایا یہاں قد جاء کم الرسول دوسری جگہ فرمایا اذ بعث فیھم رسولا ایک جگہ فرمایا ارسلنک شاھدا کیونکہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے جو کچھ بنے یہاں آکر بنے مگر حضور ﷺ سب کچھ بن کر آئے ہم یہاں بننے کو آئے۔ وہ سب کچھ بن کر دوسرں کو بنانے آئے تاکید کے ساتھ زور دے کر فرمایا گیا کہ حضور ہمیشہ کے لیے تشریف لائے وہ ایسے آئے کہ بعد وفات بھی نہ گئے اس لیے لقد جاء کمفرمایا گیا یعنی اے قیامت تک کے انسانوں وہ تم سب کے پاس ہر وقت تشریف فرما ہے۔ تمہارے دلوں میں آئے تمہارے دماغوں میں آئے ایمانوں میں آئے جانوں میں آئے اور ایسے آئے کہ آکر تمہارے پاس سے نہ گئے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾۔[30] مولانا صاحبؒ نے اس آیت کی دور نبوت کی قید کے ساتھ تفسیر فرمائیں لیکن مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کوئی قید نہیں ہے یہ آیت ہر زمانے کے لوگوں کے لیے یعنی جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو بغیر حضور ﷺ کے آستانے پر جسمانی یا دلی حاضری کے توبہ قبول نہیں ہوتی اور مدینے میں حاضری دے کر گناہ بخشوانے کی قید بھی نہیں لگائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط[31] یہاں بھی مولانا صاحبؒ نے دور نبوت کا تذکرہ کیا ہے قیامت تک کا نہیں جبکہ مفتی صاحبؒ کے مطابق اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں لیکن قوی یہ ہے کہ لیعذبھم اور فیھم دونوں ضمیروں سے مراد تا قیامت کے انسان ہیں۔ آپ ﷺ کا ان میں ہونے سے مراد روحانی طور پر دنیا میں رہنا کہ کوئی گھڑی آپ ﷺ کے موجود ہونے سے خالی نہیں یعنی ہم تا قیامت غیبی عذاب نہیں بھیجے گے کیونکہ ہر جگہ آپ ﷺ موجود ہے۔

استعانت لغیر اللہ

مماثلت

بقول مولانا صاحبؒ ”جو استعانت واستمداد بالمخلوق باعتقاد علم وقدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے، اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے، اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے، خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت اور جو استمداد بلا اعتقاد علم وقدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل، پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیہ، ورنہ لغو ہے۔“[32]

”بقول مفتی صاحبؒ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں۔“[33] دونوں صاحبان اس بات پر متفق ہے کہ زندہ بندوں سے مدد مانگنی جائز ہے۔ تعریف سے دونوں صاحبان متفق نظر آتے ہیں لیکن آیتوں کی تفاسیر میں مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اس جہاں فانی سے کوچ کیا بھی ہو تب بھی وہ مدد کرسکتے ہیں۔

عدم مماثلت

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ․ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ․ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾[34]۔ چونکہ تفسیر بیان القرآن ایک جامع اور مختصر تفسیر ہے اس لیے زیادہ وضاحت نہیں ہے لیکن اشرف التفاسیر اور مولانا صاحبؒ نے دیگر مقالات وغیرہ میں اس آیت میں استعانت کی وضاحت کردی ہے مولانا صاحبؒ کے مطابق اِیَّاکَ نَعْبُدُ انشائیہ جملہ ہے خبریہ نہیں ہے اور وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُمیں بالاستقلال کسی کو معین سمجھ کر سوائے خدا کے مدد نہیں مانگنی چاہیے لیکن جو چیزیں لوگوں کے اختیار میں ہے اس میں مدد مانگنی جائز ہے کیونکہ سب اللہ کے سوائے محتاج ہے مستقل مزاج انہی کی ذات ہے۔ اسی طرح صوفیاء کرام کو بھی مستقل حاجت روا سمجھنا جائز ہے جبکہ سورۃ الفاتحہ کے متعلق مفتی صاحبؒ نے متعدد اعتراض دیوبند کے نام سے کیے ہیں اور پھر ان کے جوابات بھی ارسال کیے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔ اگر ہر چیز شرک ہیں تو انسان ایک دوسرے کے محتاج ہے لہذا ایک دوسرے کے مدد سے ہر چیز شرک ہوگئی اور اعتراض کرتے ہیں کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں بندہ اللہ ہی کی حمد اور اس کا ذکر کرے۔ اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والوں کی تعریف اور ان کا ذکر حقیقت میں خدا کی ہی تعریف ہے اور اسی کا ذکر ہے بلکہ کامل حمد اللہ کی وہی ہے جو اس کے خاص بندوں کے ذکر کے ساتھ ہو۔ آگے یہ بھی فرماتے ہیں کہ دیوبندی اعتراض کرتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ رب العالمین ہے تو چاہئے کہ ساری حاجتیں اسی سے مانگی جائیں۔ اس کے جواب میں مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ رب العالمین ہے لیکن انہوں نے اپنے تمام کاموں کے لیے دروازے مقرر کیے ہیں ان پر جاکر مانگنا اصل میں خدا سے مانگنا ہے۔ مرنے سے صرف بعض لوگوں کا جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ روح کی طاقتیں تو بڑھ جاتیں ہے۔ میت قبر میں سے اوپر کے سارے حالات دیکھتی ہے اور ہلکی سی آوازیں بھی سنتی ہے تو جو روح اپنی زندگی میں روحانی امداد کرسکتی ہے بعد وفات بدرجہ اول مدد کرسکے گی۔

﴿اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[35] ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَنْ يَّمْلِكُ اسَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُا لْاَمْرَط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ﴾۔[36] ان آیات میں مفتی صاحبؒ نے دیوبند کے نام سے کئی اعتراضات کیے ہیں اور آخر میں ان کا جوابات تحریر فرمائے ہیں جس کو محققہ نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہیں۔

اعتراضات: کفار عرب بھی سمجھتے تھے کہ یُدَبِّرُ الْاَمر کی ذات صرف وہی اللہ ہیں لیکن اکیلے وہ کچھ نہیں کر سکتے لہذا دنیا کے انتظام میں ہمارے معبودوں کو دخل ہے۔ وہ بتوں کو دور سے سننے والے، حاجت روا، عالم غیب اور حاضر وناظر مانتے تھے۔ اس لیے وہ مشرک تھے؟ اس زمانے کے مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ نبیوں اور والیوں کو عالم کے کاروبار میں دخل ہے اور ان سے بھی وہ مرادیں مانگتے ہیں اور نبیوں ولیوں کو عارضی طور پر مدبر عالم حاجت روا سمجھتے ہیں۔

جوابات: بقول مفتی صاحبؒ اس بارے میں مشرکین اور مسلمین کے عقیدے میں فرق ہے کہ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ یہ سارے کام خود بخود نہیں کر سکتا مجبوراً ہمارے بتوں کو مقرر کیا گیا ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کے بندے اور خدام ہیں خدائی میں ان کا دخل نہیں حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہیں کہ فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کو اپنی خلقت کا انتظام سپرد فرمادیا ہے جس کا ثبوت قرآن اور حدیث سے ہے۔ بچہ بنانے، جان نکالنے وغیرہ وغیرہ کاموں کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ وَمَن یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ سے مراد عالم کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ حقیقی مدبر وہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کے لیے فرشتوں اور اولیاء عظامؒ کو مجازاً مدبر عالم بنایا ہیں۔ تم کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتے ہو مشرکین پتھر کے بت کی طرف تم آب زمزم کا احترام کرتے ہو۔ مشرکین گنگا کے پانی کی۔ تم عید بقر کا ادب واحترام کرتے ہو۔ مشرکین ہولی دیوالی اور عیسائی پچیس دسمبر کا دونوں کے عمل یکساں ہیں پھر تم مومن کیوں اور وہ مشرک کیوں؟ مولانا صاحبؒ اشرف التفاسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ "حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا سات ہیں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کون ہے اس نے کہا کہ آسمان والا تو مشرکین عرب بھی مصیبت کے وقت ایک خدا کو پکارتے تھے مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں ہی کو پکارتے ہیں"۔[37]

بدعت

عدم مماثلت

بقول مولانا صاحبؒ: "اللہ اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دین کی سب باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتلادیں، اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں۔ ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں"۔[38] بقول مفتی صاحبؒ: "بدعت کہتے ہیں دین میں نیا کام جو ثواب کے لیے ایجاد کیا جائے اگر یہ خلاف دین ہو تو حرام جیسے عیسائیوں نے رہبانیت اختیار کی تھی بدعت حسنہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ثواب بھی دیا لیکن جو نباہ نہ سکیں وہ کے مستحق ہوئے"۔[39] بدعت کی تعریف میں دونوں صاحبان کا اختلاف ہے۔ مماثلت کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی ہے۔﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾۔[40] اس آیت کی تفسیر میں مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بے شک تمام چیزوں میں کچھ نہ کچھ فائدہ ہیں لیکن بندوں کو اس کا معلوم ہونا لازم نہیں اور تمام چیزیں حلال نہیں کیونکہ کچھ فائدہ ہونے کی سبب ہر چیز قابل استعمال نہیں رہتی جبکہ مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں ہمارے لیے بنی ہیں تو ان کا حلال ہونا بھی ہمارے لیے ضروری ہے آگے اعتراضاً فرماتے ہیں کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو چیز حضور پاکؐ کے زمانہ اقدس میں نہ ہو وہ سب بدعت

اور حرام ہے جس سے لازم آیا کہ اعراب والا قرآن شریف اور بخاری شریف وغیرہ پڑھنا، پلاؤ، بریانی کھانا، ریل کی سواری وغیرہ سب حرام ہیں۔ ﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓءِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾۔[41] اس آیت کی تائید مولانا اشرف علیؒ تھانوی کے بسم اللہ کے ترجمہ سے ہو جاتی ہیں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "" شروع کرتاہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں" توحید اس قدر مسلم ہے کہ اسے ملحوظ رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے اپنے لیے جابجا صیغہ جمع ارشاد فرمایا ہے۔ جیسے "رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا"[42] اس آیت کے تفاسیر میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہیں کہ تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے بصیغہ جمع خطاب ہے جبکہ مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بیان توحید کے لیے قُلْنَا جمع کا صیغہ ہے رب تعالیٰ نے اپنے لیے واحد کا صیغہ بھی فرمایا ہے جمع کا بھی اظہار عظمت کے لیے مگر بندہ ہمیشہ رب کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کرے جمع کبھی نہ بولے کہ اس میں شرک کی بو ہے۔ ﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ فَتَا بَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾۔[43] مولانا صاحبؒ نے ایصال ثواب کی نیت سے (دن، تاریخ، چیز مقرر کیے اور کچھ پڑھے بغیر) خیرات جائز ہیں لیکن گیارہویں نام جائز نہیں۔ نہ یہ نیت جائز ہیں کہ مال، اولاد میں برکت وترقی ہو گی۔[44] لیکن اس آیت کو مفتی صاحب بطور دلیلؒ پیش فرماتے ہیں کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا وغیرہ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری اس لیے اہلسنت گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ بظاہر حضور غوث پاک کی فاتحہ ہوتی ہے۔ درحقیقت ان تمام بزرگوں پر انعام الٰہی ملنے کی خوشی ہوتی ہیں۔ ﴿وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ" فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّکُمْ زَادَ تْهُ هٰذِهٖٓ اِیْمَانًا فَاَ مَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْن﴾۔[45] ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰ لِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ط﴾۔[46]

بقول مولانا صاحبؒ اگر ان آیات سے عید میلاد النبی کا کلیہ صحیح مان لیا جائے تو فقہاء نے کتب فقہ میں جن بدعات کو روکا ہے وہ بھی ان کلیہ میں داخل ہو سکتی ہے تو وہ جائز ہو جائیں؟ نفس فراحت کا انکار نہیں بلکہ اس پر ہر وقت عامل رہنا چاہیے۔ اس کلیہ سے افراط و تفریط کا قاعدہ متعارف ہو گیا۔[47] مفتی صاحبؒ کے مطابق آیات کے نزول پر خوشی منانا رب کے ہاں باعث مسرت تو جن کے دم سے یہ ساری بہار ہے ان کی تشریف آوری کی خوشی منانا رب کو ضرور پیاری ہو گی۔ اس لیے عید میلاد النبی منانا، ربیع الاول میں روشنی، خیرات جیسے جلسے جلوس قائم کرنا رات کو نوافل پڑھنا مومنین کا طریقہ ہے۔ مفتی صاحبؒ نے فضل ورحمت کی کئی تفسیریں فرمائیں ہیں جن میں ایک تفسیر یہ ہے فضل سے مراد قرآن مجید اور رحمت سے مراد آپ ﷺ ہیں لہذا رمضان و ربیع الاول میں شرعی محرمات کے علاوہ ہر طرح کی خوشیاں منانا باعث ثواب یعنی بازار سجانا، جلسہ جلوس وغیرہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قید نہیں لگائی ہے کہ فلاں خوشی کرو فلاں مت کرو۔ یہ خوشی باقی تمام خوشیوں سے بڑھ کر ہے اور فرماتا ہے واما بنعمة ربک فحدث یعنی اپنے رب کے فضل ورحمت پر فرحت و سرور کرو اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو حضور انور ﷺ تمام رحمتوں و نعمتوں سے بڑی نعمت ہیں حتیٰ کہ رب نے اس کا احسان جتلایا ہے "لقد من الله على المومنين۔"

خلاصۂ بحث

مقالہ ہذا میں پیش کی گئی آراء و دلائل اور ان کے تجزیہ سے جو نتائج سامنے آئے ہیں ان میں سے اہم نتائج درج ذیل ہیں:۔
اس تحقیقی مقالے سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ قرآن پاک تا قیامت رہتی دنیا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہر دور میں ہر ایک کے

لیے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ یہ قرآن پاک کا ایک دعویٰ ہے اور ہر دعویٰ اپنی دلیل چاہتا ہے۔ اس دعوے کی دلیل ہر دور میں قرآن پاک کی مختلف تفاسیر ہیں جس نے اس بات کو ثابت کیا کہ قرآن پاک صرف ایک مذہبی کتاب نہیں بلکہ ایک ضابطہ حیات ہے۔ جو لوگ صرف اسے مذہبی کتاب سمجھتے ہے وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ تفسیر کا آغاز نہ صرف آپ ﷺ کے دور سے ہوا ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے تفسیری اجتہاد و استنباط کا راستہ بھی کھول دیا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے علماء کی زبان اردو ہونے کے باوجود انہوں نے قرآن پاک کی جو خدمت کی ہے شاید کسی مسلم معاشرے نے کی ہو گی۔ حکمت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ نے پورے قرآن پاک کی تفسیر نہیں فرمائی اور عربی زبان اپنے اندر ایک جامعیت رکھتا ہے تاکہ ہر دور کے لوگ اس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ ان حضرات کی زندگی سے یہ اسباق منظر عام پر آئی کہ آپ ﷺ کی ذاتی صلاحیتیں، اوصاف و کردار اتنی پاکیزہ، معصوم اور اعلیٰ وارفع ہیں کہ اس معیار تک پہنچنا تو کسی کے بس کی بات نہیں۔ البتہ ان کو معیار بنا کر ان تک پہنچنے کی سعی تو ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ مقالہ ہذا سے فقہ حنفی کے دو کڑیوں سے واقفیت ہوئی۔ دونوں تفاسیر میں تفسیری تمام اقسام پائی جاتی ہیں۔

تفسیر نعیمی دعوتی و مناظراتی تفسیر ہے۔ جبکہ تفسیر بیان القرآن ایک جامع تفسیر ہے جس کو تفسیر کے بجائے ترجمہ کہنا بجا ہو گا۔ مفسر کا مقصد صرف اور صرف قرآن پاک کے نفس کو بیان کو کرنا ہے۔ اسی لیے دعوتی و مناظراتی لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ تفسیر نعیمی میں انتہائی آسان زبان استعمال ہوئی ہے اور تفسیر بیان القرآن کا اسلوب تحریر فنی اردو پر مشتمل ہے۔ آج کے دور میں اس کو سمجھنا ہر کسی کی بس کی بات نہیں۔ تفسیر نعیمی میں لفظی اور بامحاورہ دونوں تراجم سے واقفیت ہوئی اور تفسیر بیان القرآن میں بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے اور ترکیب کی رعایت کی گئی ہے۔ عربی الفاظ کی شان و شوکت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے عام فہم انسان بعض مقامات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ دونوں تفاسیر نمایاں طور پر فقہی رجحان کی حامل ہیں لہٰذا فقہی احکام پر مبنی آیات قرآنیہ سے آگاہی ہوئی۔ احکام شرعیہ میں اضافہ ہوا۔ بعض فقہی اختلافی مسائل کے حوالے سے بحثیں بھی تفسیروں میں کی گئیں ہیں لیکن تفسیر بیان القرآن میں فقہیہ و کلامیہ آیات میں اس قدر تحقیق پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جس پر قرآنی آیات موقوف تھیں جبکہ تفسیر نعیمی میں انتہائی وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ فقہی احکام کو عصری دور سے منضبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور فوائد، اعتراضات تمام کو مفصل طور بیان کیا گیا ہے۔ الغرض مقالہ ہذا سے فقہ حنفی کی دو کڑیوں سے واقفیت ہوئی۔

حوالہ جات

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوب، اشرف السوانح، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۶ء، ج۱، ص۴۵۔

[2] غلام محمد، مولانا، ڈاکٹر، سوانح عمری حیات اشرف، کراچی، مکتبہ تھانوی، س ن، ص۷۹۔

[3] القیامۃ، ۷۵:۱۷۔

[4] حم سجدہ، ۴۱:۲۶۔

[5] عثمانی، محمد تقی، مفتی، علوم القرآن، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۴۱۹ھ، ص۲۵۔

[6] عارفی، عبد الحئی، ڈاکٹر، بیاد حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مشمولہ، ماہنامہ الحسن جامعہ اشرفیہ لاہور، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۷ء، ص۱۴۱۔

[7] قادری، نذیر احمد، نعیمی، سوانح عمری، گجرات، نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار روڈ، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰ تا ۱۱۔
[8] نعیمی، عبد الحمید، مفتی، حیات حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی، گجرات، نعیمی کتب خانہ، ۲۰۱۱ء، ص ۵۹۔
[9] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، حفظ الایمان، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۔
[10] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، تفسیر نعیمی، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۸۳ء، ج ۱، ص ۹۹۔
[11] البقرہ، ۲:۲ تا ۳۔
[12] البقرہ، ۲:۳۳۔
[13] المآئدہ، ۵:۱۰۱۔
[14] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، اشرف تفاسیر، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۰ھ، ج ۹، ۴۔۶۔
[15] النساء، ۴:۱۱۳۔
[16] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، ص ۲۶۹۔
[17] احمد یار خان، مفتی، نعیمی: "جاء الحق"، ص ۸۶۔
[18] توبہ، ۹:۱۲۸۔
[19] تھانوی، اشرف علی، مولانا، جواہرات حکیم الامت، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۱ھ، ج ۱، ص ۴۴۲۔
[20] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، کراچی، زمزم پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۶۹۔
[21] ایضاً، ص ۷۔
[22] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، تفسیر نعیمی، ج ۵، ص ۳۰۱۔
[23] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، تفسیر نعیمی، ج ۱، ص ۱۰۰۔
[24] المآئدہ، ۵:۱۵۔
[25] التوبہ، ۹:۳۲۔
[26] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، جاء الحق، ص ۶۷۔
[27] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، النور، ماہنامہ انوار العلوم، نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۱۲۔
[28] البقرہ، ۲:۱۰۱۔
[29] التوبہ، ۹:۱۲۸۔
[30] النساء، ۴:۶۴۔
[31] الانفال، ۸:۳۳۔
[32] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، امداد الفتاویٰ، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۲۰۱۰ء، ج ۵، ص ۳۶۹۔
[33] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، جاء الحق، ص ۹۸۔
[34] الفاتحہ، ۱:۳ تا ۴۔
[35] البقرہ، ۲:۲۲۔
[36] یونس، ۱۰:۳۱۔
[37] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، اشرف التفاسیر، ج ۲، ص ۲۷۹۔
[38] ایضاً، بہشتی زیور، ص ۴۱۔
[39] نعیمی، احمد یار خان، مفتی، علم القرآن، کراچی، مکتبہ المدینہ باب المدینہ، ۲۰۰۷ء، ص ۴۷۔
[40] البقرہ، ۲:۲۹۔

[41] البقرہ، ۲:۳۴۔
[42] المومنون، ۲۳:۱۰۰۔
[43] البقرہ، ۲:۳۷۔
[44] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، امداد الفتاویٰ، ج۵، ص۳۰۷۔
[45] التوبہ، ۹:۱۲۴۔
[46] یونس، ۱۰:۵۸۔
[47] تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، اشرف التفاسیر، ج۲، ص۲۸۷۔